سیر و سوانح

قاضی محب اللہ بہاریؒ

مولانا عماد الدین قاسمی

ہندوستان کا صوبہ بہار اپنی قدامت، تاریخی عظمت اور زرخیزی کے اعتبار سے دنیا بھر میں مشہور و معروف ہے اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، یہاں سے نہ جانے کتنی عظیم اور تاریخ ساز شخصیتوں نے جنم لیا، جن کے کارنامے تاریخ کے اوراق کی زینت بنے ہوئے ہیں اور جن کے نام آج بھی صدیاں بیت جانے کے باوجود روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں، ان عظیم ہستیوں اور شخصیتوں میں ایک نام قاضی محب اللہ مقلّب ملا بہاری کا بھی ہے۔ صفحاتِ ذیل میں ان کی حیات، کارناموں اور علمی خدمات سے بحث کی جائے گی۔

پیدائش

صوبہ بہار کے شہر پٹنہ (جو اس وقت بہار کا دارالحکومت ہے) کے قریب موضع کڑا متعلقہ محب علی پور میں محب اللہ صاحب پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام عبدالشکور تھا، والدہ کا نام معلوم نہ ہو سکا، قاضی صاحب کس سن اور کس تاریخ کو پیدا ہوئے اس سلسلے میں تاریخ خاموش ہے، تعجب ہے کہ اتنے جلیل القدر عالم کا حال علمائے ہند نے اپنے تذکروں میں نہیں لکھا اور جس نے بھی لکھا بہت کم لکھا۔ بہرحال قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ گیارہویں صدی ہجری کے نصف اوّل سے قریبی زمانے میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت

قاضی صاحب کی تعلیم و تربیت والدین کی نگرانی میں گھر پر ہوئی، اس کے بعد عربی و فارسی کی چند درسی کتابیں پڑھ کر اعلیٰ تعلیم کے لیے عظیم آباد، خیرآباد اور لکھنؤ وغیرہ کا سفر

کیا، یہاں انھیں مولانا قطب الدین شمس آبادی سے اکتساب علم کا شرف حاصل ہوا۔[۳۱]
اس کے علاوہ قاضی محب اللہ صاحب نے اور کن علماء سے تعلیم حاصل کی اس کا علم نہیں ہوسکا۔ مولانا فضل امام خیرآبادی نے لکھا ہے کہ آپ ملا ابوالواعظ بن قاضی صدرالدین کے درس میں شریک ہونا چاہتے تھے۔ بعض اسباب سے جب یہ آپ کے لیے ممکن نہ ہوسکا تو سہالی جاکر ملا قطب الدین شہید کے شاگرد ہوگئے[۳۲] یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی، کیوں کہ قاضی صاحب مولانا شمس آبادی کے شاگرد تھے اور مولانا قطب الدین شمس آبادی مولانا قطب الدین سہالوی کے شاگرد ہوئے اور ان کو ان سے تلمذ کا تعلق تھا۔ اس سلسلے میں اکثر تذکرہ نگار خاموش ہیں، سوائے فضل امام خیرآبادی کے اور مولانا آزاد بلگرامی کی تحریر کے کوئی دوسری روایت نہیں ملی، بلکہ مولانا آزاد بلگرامی نے تو قطب الدین سہالوی کے مایۂ ناز فرزند ملا نظام الدین بانی نصاب درس نظامی کو بھی مولانا محب اللہ بہاری کے اساتذہ میں شمار کیا ہے جو بداہتاً غلط ہے[۳۳] اس سلسلے میں بہت سے علماء کی یہی رائے ہے کہ مولانا محب اللہ بہاری کو ان دونوں سے تلمذ کا شرف حاصل نہیں تھا، علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ:

"حکیم فتح اللہ شیرازی المتوفی ۹۹۷ھ کے شاگرد عبدالسلام لاہوری، ان کے شاگرد ملا عبدالسلام اودھی (دیوی) ان سے قطب الدین سہالوی، ان سے قطب الدین صاحب شمس آبادی، ملا امان اللہ بنارسی اور قاضی محب اللہ بہاری نے اور ملا قطب الدین سہالوی کے صاحبزادے ملا نظام الدین نے ملا امان اللہ بنارسی سے پڑھا۔"[۳۴]

اس کے علاوہ مولانا شبلی نعمانی نے اس زمانہ کے چند مشہور و معروف علماء جن کی تصانیف کو درس نظامی میں شامل کیا گیا تھا کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ملا صاحب (قطب الدین شہید) کے حلقۂ درس نے نہایت وسعت حاصل کی اور سلسلۂ تلامذہ میں ایسے علماء پیدا ہوئے جن کے الگ درس ہوگئے اور تمام ہندوستان پر چھا گئے، ان میں چار شخص نہایت نامور ہیں، ملا نظام الدین جن کے نام سے درس نظامیہ مشہور ہے۔ ملا محب اللہ بہاری جو بیک واسطہ ملا صاحب (مولانا قطب الدین سہالوی) کے شاگرد ہیں اور جن کی تصنیف سلّم اور مسلّم اس قدر مقبول ہوئی کہ آج علماء کا سرمایۂ کمال یہی کتابیں اور ان کی شرحیں ہیں۔ مولوی امان اللہ بنارسی جو ملا نظام الدین کے استاد

ہیں اور جن کی اصولِ فقہ میں ایک معرکہ آرا تصنیف ہے، قطب الدین شمس آبادی جو محب اللہ بہاری کے استاد ہیں"۔[۶۶]

ان صراحتوں کے بعد اب اس شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ ملا محب اللہ نے مولانا شمس آبادی سے ہی تعلیم حاصل کی، نہ کہ مولانا سہالوی اور ان کے فرزند سے مصنف حدائق حنفیہ نے بھی مولانا شمس آبادی کے شاگردوں میں ملا محب اللہ ہی لکھا ہے[۶۷] بلکہ مولانا محمد میاں کی تحریر سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مولانا شمس آبادی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد انھوں نے اپنی تعلیم مکمل کرلی اور اس کے بعد ہیں سے یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ لکھتے ہیں:

"عنفوانِ شباب میں دیارِ پورب کی سیاحت کی اور جا بجا چیدہ چیدہ حضرات سے ابتدائی اور درجاتِ وسطیٰ کی کتابیں پڑھیں۔ آخر میں سید قطب الدین شمس آبادی کی خدمت میں پہونچے اور اس قطب والا درجات کی رہنمائی سے درجاتِ تکمیل طے کیے"[۶۸]

تلاشِ معاش کے لیے سفر

قاضی محب اللہ بہاری جملہ علومِ عقلی و نقلی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد معاش کی تلاش میں نکلے اور سیدھے دکن پہونچے۔ اس وقت ہندوستان کا شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر تھا، جو خود بھی ایک بڑا عالم تھا اور علما کی سرپرستی کے لیے بڑا مشہور تھا۔ بلکہ باصلاحیت علما کی بڑی قدر کرتا تھا، اپنے دربار سے جوڑ لیتا تھا اور ان سے تصنیفی کام لیا کرتا تھا[۶۹]۔ جس وقت ملا صاحب دکن پہونچے اس وقت اورنگ زیب دکن کی مہم میں مصروف تھے۔ ان کے علم اور خداداد صلاحیت اور فقہی بصیرت کا علم اورنگ زیب کو ہوا تو انھوں نے پہلے ہی مرحلہ میں جہاں سے آئے تھے یعنی لکھنؤ ہیں کا قاضی بنا کر بھیج دیا[۷۰]۔ اس طرح ان کی شہرت ملک بھر میں ہوتی رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اورنگ زیب نے انھیں حیدرآباد کا بھی قاضی بنا دیا[۷۱] اس کے بعد اورنگ زیب نے اپنے پوتے رفیع القدر بن شاہزادہ معظم خاں ملقب بہ شاہ عالم کی تعلیم و تربیت کے لیے شاہ عالم گورنر کابل کے ساتھ کابل بھیج دیا[۷۲]

عہدۂ قضا سے معزولی

مؤلفین "حدائق حنفیہ" اور "علماء ہند کا شاندار ماضی" کی صراحت کے مطابق وہ کچھ دنوں کے لیے عہدۂ قضا سے معزول کر دیے گئے تھے [۳۱] مگر کسی نے یہ نہیں لکھا کہ معزولی کا سبب کیا تھا؟ مناظر احسن گیلانی کی کتاب کے ایک حاشیہ سے اس کا کچھ سراغ ملتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"یوں تو اپنے زمانہ میں (قاضی صاحب) دنیاوی حیثیت سے ترقی کے اس آخری نقطہ پر پہونچ کر رہے جو ملاگری کے پیشہ کرنے والوں کی معراجِ کمال تھا۔ یوں بھی وہ کبھی اودھ (لکھنؤ) اور دکن میں حیدر آباد کے قاضی رہے، آخر میں اورنگ زیب نے اپنے پوتے رفیع القدر کی تعلیم کے لیے شاہ عالم گورنر کابل کے ساتھ کابل بھی بھیج دیا تھا۔ اس سے اس زمانے کے مسلمانوں کی اولوالعزمیوں کا پتہ چلتا ہے، بہار میں پیدا ہوئے، شمس آباد (قنوج) میں قطب الدین شمس آبادی سے تعلیم حاصل کی، ابھی لکھنؤ میں ہیں کل دکن میں، پرسوں کابل میں، بہرحال جہاں تک میرا خیال ہے اسی چیز نے مُلا کو محسودِ اقران بنا دیا اور ان کو بدنام کرنے کی یہ عجیب کوشش کی گئی کہ کسی صاحب نے منطق میں ایک رسالہ لکھا جس کے عام مسائل کی عبارتیں ہی نہیں بلکہ سلم کا مشہور معرکۃ الآرا دیباچہ "سبحانہ ما اعظم شانہ" سے ملا جلا خطبہ بھی لکھا، مولانا محمود الحسن ٹونکی کی قلمی کتاب معجم المصنفین میں کچھ الفاظ اس کے بھی نقل کیے ہیں"۔ الحمد لمن هو عن الكلية والجزئية تعالىٰ وعن الجنس والفصل تبرى فلا يجد يه نعم يتصور بوجه يمتاز به" اور لطیفہ یہ گھڑا کہ مشہور معقولی وکلامی مصنف مرزا جان کی طرف منسوب کر دیا، مقصد یہ تھا کہ محب اللہ کی کتاب سرقہ ثابت ہو، تماشہ کی بات یہ ہے کہ ایک ایرانی عالم کی کتاب "روضات الجنات" جس میں علماء کے حالات ہیں اس میں خود مرزا جان اور ان کے معاصر ابوالحسن الکاشی کے متعلق لکھا ہے "کانا ینتحلان من کثیر الکتب الغیر المتداولۃ ص۵۶۶" (یعنی یہ دونوں غیر معروف کتابوں سے چرایا کرتے تھے) ان دونوں کے بارے میں یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ زیادہ تر غیاث منصور کی کتابوں سے یہ حضرات سرقہ کیا

کرتے تھے، غالباً مرزا جان کی طرف منسوب کرنے کی وجہ بھی یہی ہوئی کہ وہ خود اس مسئلہ میں بدنام تھے، واقعہ یہ ہے کہ سلم جیسی کتاب اگر مرزا جان صاحب کے قلم سے پہلے ہی نکل چکی ہوتی تو جہاں ان کی معمولی بیسیوں کتابیں علماء میں پھیلی ہوئی ہیں، ایسا متن متین گوشۂ گمنامی میں کیوں پڑ جاتا، نیز ملا صاحب کی عبارت میں جو آمد ہے، اور اس جعلی کتاب میں جو آورد ہے وہ خود دلیل ہے اس کے جعلی ہونے کی، محب اللہ ایک خاص طرز تعبیر کے موجد ہیں، مسلّم میں بھی ان کا یہی رنگ ہے لیکن مرزا جان کی کسی کتاب کی عبارت مسلّم کے طرز کی نہیں ہے۔[۱۴]

بہر حال عہدۂ قضا سے معزولی کے چند دنوں بعد اپنے کچھ درباری مخلصین کی سفارش اور یقین دہانی کے بعد وہ دربار سے منسلک ہوئے، مولانا محمد میاں لکھتے ہیں:۔

"کسی خاص سبب سے معتوب ہو کر یہاں سے معزول کر دئے گئے، کچھ ارکان دولت عالمگیری کی سفارش سے عتاب سے نجات پا کر شاہزادہ رفیع القدر شاہ عالم بن اورنگ زیب کے اتالیق مقرر ہوئے"[۱۵]

اس کے بعد مولانا محب اللہ صاحب برابر ترقی کے منازل طے کرتے رہے۔ چنانچہ مولانا محمد میاں لکھتے ہیں کہ:

"جب شاہ عالم پیش گاہِ خلافت سے صوبۂ کابل کی گورنری پر مامور ہوئے تو سلطنتِ مغلیہ کے فرماں روائے اعظم اور مختارِ مطلق شہنشاہ ہو کر ہندوستان واپس آئے، قاضی صاحب کا اختراعِ اقبال اور جلال پر پہونچا، جملہ ممالکِ محروسہ کی صدارت اور فاضل خاں کے پر ہیبت خطاب سے آپ کو فخر و مباہات میں چار چاند لگائے گئے"[۱۶]

تصنیفات و تالیفات

جس زمانے میں قاضی صاحب پیدا ہوئے اس وقت ہندوستان میں زیادہ تر معقولی علماء پائے جاتے تھے اور انہی علوم کو ملک میں زیادہ اہمیت دی جاتی تھی، یہاں تک کہ سمرقند و بخارا میں بھی انہی علوم سے وہاں کی درس گاہوں کی رونقیں تھیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عہدِ اکبری کے مشہور عالم میر فتح اللہ شیرازی نے مدارس کے نصاب کا جو خاکہ پیش کیا لگ بھگ انہی کا مرتب کردہ نصاب پورے ملک میں رائج تھا۔ وہ علم معقولات

کے امام سمجھے جاتے تھے اور انہی کی وجہ سے ہندوستان میں علم معقول کا رواج ہوا[۱۸] اس نصاب میں زیادہ تر کتابیں علم معقولات کی ہی شامل تھیں، بعد میں بھی ملا نظام الدین نے جو باضابطہ نصاب درس مرتب کیا اس میں بھی علم معقولات کی کتابیں زیادہ شامل کی گئیں، بہرحال اس تعلیم کا اثر مولانا محب اللہ بہاری پر بھی مرتب ہوا اور انھوں نے اپنے ہم عصر علماء کی روایت پر عمل کرتے ہوئے عہدۂ قضا کے بعد کچھ وقت تصنیف و تالیف کے لیے بھی نکالا۔ زیادہ تر کتابوں میں ان کی تصنیفات کی تعداد صرف چار درج ہے[۱۹] جب کہ مولانا حنیف گنگوہی نے اپنی کتاب میں مولانا کی تصنیفات میں مزید کئی کتابوں کے نام لکھے ہیں[۲۰]۔ ان میں سے چند مشہور کتابوں کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا جاتا ہے۔

(۱) سلم العلوم :

قاضی صاحب کی تصنیفات میں سب سے پہلی کتاب سلم العلوم ہے، مولانا جب اس کتاب کی تصنیف سے فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ تو اس کتاب کو شمس بین النجوم بنا دے[۲۱]۔ چوں کہ دعا صدق دل سے نکلی تھی چنانچہ بارگاہ خداوندی میں مقبولیت کے شرف سے نوازی گئی۔

اس کتاب کے پڑھنے سے قاضی صاحب کے بے پناہ ذہن رسا اور قوت متخیلہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی عبارت مستحکم اور افکار و مسائل مدلل ہیں۔ یہ کتاب زبان و بیان کا معرکہ آرا شاہ کار ہے جس زمانے میں یہ شاہ کار کتاب منظر عام پر آئی اس وقت سے لے کر آج تک کسی معقولی و فلسفی عالم کی لیاقت و صلاحیت کے جانچنے کا معیار بن گئی، یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے معقولیوں نے اس کتاب کی شروح و حواشی اور حواشی الحواشی لکھ کر اپنی قابلیت کا لوہا منوانے کی کوشش کی۔ اس کتاب کے ذریعہ عالم اسلامی کی منطقی مہارت اوج کمال پر پہونچی، غالباً ہند و بیرون ہند میں منطق کی کوئی کتاب اس کی افادیت، معنویت اور مقبولیت سے آگے نہیں بڑھ سکی، اس کتاب کی اہمیت اور ہمہ گیری کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب ہم سلم العلوم کے شارحین پر نظر دوڑاتے ہیں تو اس وقت کے تمام عمدہ قلم کاروں اور مصنفین کے نام دیکھنے کو ملتے ہیں، جن کی تعداد مولانا عبدالحی لکھنوی کے مطابق ۳۵ رسے متجاوز ہے[۲۲]۔ مگر اس سے بھی زیادہ لوگوں نے اس کتاب کی شرحیں لکھی ہیں، آج

تک یہ سلسلہ جاری ہے عصر حاضر کے ہندوستان کے بڑے بڑے مدارس کے علماء آج بھی اس کتاب کو سہل بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، ماضی قریب میں قاری صدیق احمد باندوی نے بھی اس کی عمدہ شرح اردو لکھی ہے جو کافی مقبول ہوئی مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اب تک اس کتاب کی لگ بھگ ۵۰ شرحیں لکھی جاچکی ہیں۔

(۲) مسلم الثبوت:

قاضی صاحب کی دوسری اہم مقبول اور مشہور کتاب مسلم الثبوت اصول فقہ کے موضوع پر ہے، اس کتاب کی تصنیف سے جب فارغ ہوئے اور عوام تک یہ کتاب پہونچی تو اس کو دیکھ کر ان کے چند رفقاء نے ان سے درخواست کی کہ کتاب کی عبارت ثقیل ہے جو عام لوگوں کے فہم سے خارج ہے، اگر خود ہی اس کتاب کی ثقیل عبارت کی تشریح کردیں تو عوام زیادہ مستفیض ہوسکتے ہیں، چنانچہ خود ملا صاحب نے اس کتاب کے حواشی لکھے۔ اس کتاب کی تصنیف اور حواشی لکھتے وقت فقہ کی جو کتابیں ان کے سامنے تھیں ان کی فہرست انھوں نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں پیش کردی ہے[۲۲] مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

"اہل علم جانتے ہیں کہ ملا محب اللہ نے اصول فقہ کی جو فہرست پیش کی ہے کتنی جامع اور حاوی فہرست ہے، اس فن کی اہم کتابوں میں خود ہی غور کیجئے کہ آخر کون سی کتاب رہ گئی ہے۔ صرف احناف کے اصول کی کتابیں نہیں ہیں بلکہ شافعی، مالکی اصول فقہ کی امہات کتب بھی جب اس ملک میں پائی جاتی تھیں اور اہل علم کے زیر مطالعہ تھیں، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ کتابی سرمایہ کی کمی کا جو عام پروپیگنڈہ ہندوستان کے اسلامی عہد کے متعلق کیا گیا ہے اس میں اصلیت کا کتنا ذکر ہے[۲۳]

فقیر محمد جہلمی نے لکھا ہے کہ: آپ نے جس طرح سلم العلوم تصنیف کرکے علم منطق کو زندہ کردیا ہے، اسی طرح کتاب مسلم الثبوت تصنیف فرماکر علم اصول فقہ کو فروغ دے دیا اور ثابت کردیا ہے کہ جملہ علوم نقلی وعقلی حدیث وتفسیر اور فقہ وغیرہ بغیر اصول فقہ کے ہرگز نہیں آسکتے۔"[۲۴]

اس کتاب کی جامعیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا شبلی نعمانی جیسے بڑے عالم، انشاء پرداز اور نقاد کو بھی یہ کہنا پڑا کہ قاضی محب اللہ بہاری جن کی سلم اور

مسلم الثبوت نے دو صدیوں تک آدھا حصہ درس کا اپنے اندر دبائے رکھا۔[۲۵] یقیناً یہ دونوں کتابیں مدارس کے طلبا کے لیے بیک وقت کئی مضامین کے تقاضوں کو پورا کر رہی تھیں۔

یہ کتاب بھی سلم العلوم کی طرح کافی مقبول ہوئی اور اسے ہندوستان کے نصابِ درس میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہوا، متعدد علماء نے اس کتاب کی شروح و حواشی تحریر کیے ہیں۔ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے اس کتاب کی ۸ شرحوں کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔[۲۶] یہ تمام شرحیں ماہرینِ فن کے قلم کا ثمرہ ہیں۔

دیگر تصنیفات

مذکورہ دو کتابوں کے علاوہ محب اللہ صاحب کی الجوہر المفرد فی مبحث جزلا یتجزی فلسفہ میں، رسالہ فی المغالطات العامۃ الورود جو ایک سوال کا جواب ہے "رسالہ فی ان مذہب الحنفیۃ ابعد من الرائی من مذہب الشافعیۃ اور منہیات شرح مسلم وغیرہ ہیں۔ اس کے علاوہ الافادات جس کا ذکر مسلم الثبوت میں خود مصنف نے کیا ہے، ان کی آٹھویں کتاب الفطرۃ الالٰہیۃ ہے۔ اس میں اس کے اصولِ غامضہ مذکور ہیں جن میں سے ایک مسئلہ اختیار ہے اس کا ذکر بھی مسلم الثبوت میں موجود ہے۔[۲۷] یہ تمام کتابیں قاضی محب اللہ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک وضاحت

قاضی صاحب کو منطق میں جو مہارت اللہ نے ودیعت فرمائی تھی اس کا اندازہ مندرجہ بالا تحریر اور ان کی کتاب سلم العلوم سے اچھی طرح کیا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ نے انھیں فقہ و اصول فقہ میں کافی بصیرت عطا کی تھی، مگر یہاں پر ایک سوال یہ آتا ہے کہ قاضی صاحب کو فتاویٰ ہندیہ کی ترتیب میں عالمگیر نے کیوں شامل نہیں کیا، جب کہ بادشاہ نے انھیں ان کی صلاحیت کی بنا پر ترقی کی چوٹی پر پہونچا دیا تھا، اس کا جواب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ چونکہ قاضی صاحب کچھ دنوں کے لیے لکھنؤ اور اس کے بعد حیدرآباد کے قاضی بنائے گئے جو مرکز سے کافی دور تھا۔ اس کے علاوہ بادشاہ کو اپنے پوتے کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک قابل اور باصلاحیت عالم کی ضرورت

تھی اور یہ صلاحیت قاضی صاحب کے اندر پوری طرح موجود تھی، لہٰذا وہ ان کے پوتے کی تعلیم و تربیت کے لیے حیدرآباد کے بعد کابل چلے گئے اور سارا وقت انھوں نے وہیں صرف کیا، اس طرح قاضی صاحب فتاویٰ کی ترتیب میں شریک نہ ہو سکے، اگر اس کے علاوہ کوئی دوسری مصروفیت قاضی صاحب کی ہوتی تو بادشاہ اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں ان کو ضرور شامل کرتے۔

وفات

متعدد کتابوں میں درج ہے کہ ان کی وفات ۱۱۱۹ھ میں ہوئی۔ وفات سے ایک سال قبل تک وہ کابل میں تھے اور اورنگ زیب عالم گیر کے پوتے کو پڑھانے پر مامور تھے، مگر جب اورنگ زیب عالم گیر کی وفات ۱۱۱۸ھ میں ہوئی تو وہ شاہ عالم کے ساتھ ہندوستان چلے آئے اور یہیں ان کی وفات ہوئی۔

حواشی و مراجع

۱؎ صوبہ بہار کے سلسلے میں مولانا مناظر احسن گیلانی نے بڑی کارآمد باتیں اپنی کتاب کے حاشیہ میں درج کی ہیں تفصیل کے لیے مراجعت کی جائے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، مولانا مناظر احسن گیلانی ص: ۲۹ ج ۱ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۶۶ء

۲؎ علماء ہند کا شاندار ماضی، سید محمد میاں، ص: ۴۰۵ ج: ۱ مطبوعہ کتابستان گلی قاسم جان دہلی ۱۹۸۵ء

۳؎ ظفر المحصلین باحوال المصنفین۔ مولانا حنیف گنگوہی، ص: ۳۵۵ مطبع غیر مذکور، زمانۂ تصنیف ۱۳۸۹ھ

۴؎ تذکرہ علماء ہند، رحمان علی، مترجم محمد ایوب قادری ص: ۴۰۵۔ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی، کراچی ۱۹۶۱ء

۵؎ رود کوثر، شیخ محمد اکرام، ص: ۶۰۳ ادبی دنیا مٹیا محل دہلی ۱۹۹۸ء

۶؎ مقالات شبلی، مرتبہ سید سلیمان ندوی ص ۱۰۸-۱۰۷ ج ۳ مطبع معارف اعظم گڑھ طبع دوم ۱۹۵۵ء

۷؎ حدائق حنفیہ، فقیر محمد جہلمی، ص ۴۳۱، مطبع نول کشور لکھنؤ۔ سنہ نامعلوم۔

۸؎ علماء ہند کا شاندار ماضی: ۴۰۵

۹؎ عالم گیر نے درس و تدریس کو جس قدر ترقی دی اور علماء کی سرپرستی کی ہندوستان میں کبھی کسی عہد میں تعلیمات کی اتنی ترقی نہیں ہوئی۔ ہر ہر شہر اور قصبہ میں تمام علماء اور فضلا کے وظائف اور روزینے مقرر

تھے جس کی وجہ سے مطمئن ہو کر تعلیم و تعلم میں مشغول رہتے تھے۔ حوالہ سابق، ص ۵۵۷۔

۱۰؎ تذکرہ علمائے ہند، ص ۴۰۵ ۱۱؎ حوالہ سابق ۱۲؎ علمائے ہند کا شاندار ماضی، ص ۴۰۵، ج ۱

۱۳؎ حدائق حنفیہ، ص ۴۳۱ ، علمائے ہند کا شاندار ماضی، ص: ۴۰۵ ج ۱

۱۴؎ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص: ۵۸-۵۹، ج ۱

۱۵؎ علمائے ہند کا شاندار ماضی ص ۴۰۶ ۱۶؎ حوالہ سابق ص ۴۰۷

۱۷؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو محمد تمیم اختر قاسمی کا مضمون، شاہ فتح اللہ شیرازی: ایک تنقیدی مطالعہ، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، مارچ ۲۰۰۳ء

۱۸؎ حدائق حنفیہ، علمائے ہند کا شاندار ماضی اور رود کوثر وغیرہ میں سلم العلوم، مسلم الثبوت، الجوہر الفرد اور مغالطات العامہ کو ہی مولانا کی تصنیف قرار دیا گیا ہے۔ صباح الدین عبدالرحمٰن نے بھی اپنی کتاب بزم تیموریہ میں ان چار کتابوں ہی کے نام لکھے ہیں۔ ۱۹؎ ظفر المحصلین باحوال المصنفین ص: ۳۵۷ ۲۰؎ حوالہ سابق

۲۱؎ اسعاد المفہوم فی حل سلم العلوم، قاری سید صدیق احمد باندوی، ص ۲، مطبوعہ دار الکتاب، دیوبند سنہ ندارد کتاب کے حروف تقدیم کے آخر میں ۱۹۸۱ء کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کتاب ۱۹۸۱ء کے قریب تصنیف کی گئی۔

۲۲؎ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، مولانا سید عبدالحی، اردو ترجمہ اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں، مترجم ابوالعرفان ندوی، ص ۳۵۸، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۶۹ء

۲۳؎ قاضی صاحب لکھتے ہیں: "معلوم ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے پاس اس کتاب کی تصنیف کے زمانہ میں حسب ذیل کتابوں کا ذخیرہ جمع کرا دیا تھا، حنفیوں کے اصول فقہ کی کتابوں میں سے تو البزدوی اور اصول سرخسی، کشف بزدوی، کشف المنار اور البدیع نیز البدیع کے شارحوں نے جو اس کی شرحیں لکھی ہیں، توضیح و تلویح ابن ہمام کی تحریر (اس کی شرح) التقریر اور التیسیر اپنی مختلف شروح کے ساتھ یوں ہی شافعیوں کی کتابوں میں سے المحصول امام رازی کی، احکام الآمدی کی، شرح مختصر قاضی کی، نیز اس کی تعلیقات سید شریف کے حواشی کے ساتھ، الدبیری کی شرح، نیز تفتازانی کی شرح الشرح اور فاضل مرزاجان کا حاشیہ الردود اور العنقود نامی کتابیں بھی، قاضی بیضاوی کی منہاج اور انھوں نے اس کی جو شرح لکھی ہے اور مالکیوں کی کتابوں میں ابن حاجب کی مختصر اور منتہی الاصول (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ص ۶۰-۶۱، ج ۱)

۲۴؎ حوالہ سابق ص ۶۱ ۲۵؎ حدائق حنفیہ ص ۴۳۱

۲۶؎ مقالات شبلی، ص ۱۰۳ ۲۷؎ اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں، ص: ۱۸۲

۲۸؎ ظفر المحصلین باحوال المصنفین، ص: ۳۵۷